رسائل و مسائل

کیا قرآنی احکام کے جزئیات میں "ردوبدل" ہو سکتا ہے؟

سوال: میں ایک جوان سال طالب علم ہوں۔ ۱۹۷۰ء سے جماعت اسلامی کا ذہنی ہمدرد اور آپ کا ایک عقیدت مند۔ لیکن آپ کے ساتھ عقیدت ہو یا کسی کے ساتھ دشمنی، میرے پیش نظر ہمیشہ خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ حدیث شریف رہتی ہے کہ محبت اور نفرت کا معیار صرف قرآن پاک اور سنت صادقہ پر رکھو۔ میں نے آپ کی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ میں خدائے واحد کی بارگاہ میں بھی یہ عرض کر سکتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اسلام کے سمجھنے، شعوری طور پر اس پر عمل کرنے اور اسلام کی خدمت کرنے اور اقامت دین کے مقدس فریضہ کو انجام دینے کا جذبہ پیدا کیا۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد میں اُس مسئلے کی طرف آتا ہوں جس نے مجھے اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ یہ چیز واقعتاً میرے دل میں کھٹکتی ہے۔ یہ آپ کی وہ تحریر ہے جو آپ کی کتاب "سنت کی آئینی حیثیت" میں مندرج ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا مارچ ۱۹۷۰ء کا ایڈیشن ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود صاحب نے یہ سوال کیا ہے کہ "رسول اللہ نے دین کے احکام کی بجاآوری کے لیے جو صورتیں تجویز فرمائی ہیں کیا کسی زمانے کی مصلحتوں کے لحاظ سے ان کی جزئیات میں ردوبدل کیا جا سکتا ہے؟ کیا اسی قسم کا ردوبدل قرآن کی جزئیات میں بھی کیا جا سکتا ہے؟" اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ ان میں اسی حد تک ردوبدل ہو سکتا ہے جب اور جس حد تک حکم کے الفاظ اجازت دیتے ہوں۔ اس چیز میں آپ نے قرآن پاک کو بھی شامل کر دیا ہے۔ آپ اپنی کتاب سنت کی آئینی حیثیت کے صفحہ ۱۴۶ پر دیے گئے سوال اور جواب کو دوبارہ پڑھیں۔ میرے خیال میں یہ چیز قرآن پاک کی مستند حیثیت کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ میرے خیال ناقص کے مطابق ہی نہیں، فرمانِ الٰہی کے مطابق بھی کلام پاک ایک محفوظ کتاب ہے۔ جس کے ایک شوشہ میں بھی ردّ و بدل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ معاملہ اور فیصلہ سنت ثابتہ پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ حکم کے مطابق ردوبدل کیا جائے گا۔ اس کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱ - اس تحریر میں "قرآنی احکام کے جزئیات" سے آپ کی مراد کیا ہے ؟

۲ - اگر اس سے مراد کوئی آیت پاک ہے تو کیا کوئی غیر صاحب وحی اس میں رد و بدل کا مختار ہے ؟

۳ - رسول اکرمؐ کے تشریف لے جانے کے بعد کیا قرآن پاک کے احکام میں رد و بدل ہو سکتا ہے ؟

۴ - اور کیا خود رسول اکرمؐ قرآنی احکام کی جزئیات میں اپنی مرضی سے رد و بدل کر سکتے تھے ؟

۵ - ختم نبوت کے خلاف کیا یہ تحریر ایک ثبوت اور دلیل کی باعث نہیں بنتی ہے ؟

۶ - آپ نے جو بات لکھی ہے کیا آپ اس کے سلسلے میں قرآن پاک، سنت رسول، یا مسلک ائمہ اربعہ سے ثبوت دے سکتے ہیں ؟

۷ - اگر کوئی دلیل اس سلسلے میں آپ کے پاس نہیں تو کیا آپ اپنی اس رائے سے رجوع کرنے کے لیے تیار ہیں ؟

۸ - کیا جماعت اسلامی میں شامل رہنے کے لیے آپ کی تحریروں سے اتفاق ضروری ہے؟

مولانا صاحب، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو بات کا بتنگڑ بنا کر اس کی تشہیر کرتے اور اسے کسی شخص کے خلاف نفرت و حقارت کا ذریعہ بناتے ہیں۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے حق سمجھ کر لکھا ہے۔ میرا مطالعہ صرف آپ کی کتب تک محدود نہیں بلکہ اس مختصر عمر میں میں نے اسلاف کی مقدس تحریروں کا بھی مطالعہ کیا ہے اور یہ کتب مطالعہ کرنے اور جذبہ اسلام پیدا کرنے میں آپ کی کتب کا پورا اور ۱۰۰ فی صد حصہ ہے جس کے لیے میں اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے جزائے خیر کا طالب ہوں۔

جواب ۱- آپ کا بہت شکر گذار ہوں کہ آپ نے "سنت کی آئینی حیثیت" کے ایک مقام پر پیدا ہونے والے شکوک کی طرف مجھے توجہ دلائی۔ دراصل میں نے سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے وہی "رد و بدل" کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اس کے سوال میں درج تھے۔ یہ الفاظ بجائے خود تو ضرور شک پیدا کرنے والے ہیں، لیکن میں نے جس عبارت میں ان کو استعمال کیا ہے، اس کو بغور پڑھا جائے تو اس سے کوئی شک پیدا نہیں ہو سکتا۔ میری اصل عبارت یہ ہے۔

"قرآنی احکام کے جزئیات ہوں یا ثابت شدہ سنت رسول کے جزئیات، دونوں کے اندر صرف اسی صورت میں اور اسی حد تک رد و بدل ہو سکتا ہے جب اور جس حد تک حکم کے الفاظ کسی رد و بدل کی گنجائش دیتے ہوں، یا کوئی دوسری نص ایسی ملتی ہو جو کسی مخصوص حالت کے لیے کسی خاص قسم کے احکام

میں رد و بدل کی اجازت دیتی ہو۔ اس کے ماسوا کوئی مومن اپنے آپ کو کسی حال میں بھی خدا اور رسول کے احکام میں رد و بدل کر لینے کا مختار و مجاز تصور نہیں کر سکتا۔"

اس عبارت میں "رد و بدل" سے مراد آزادانہ رد و بدل نہیں ہے، بلکہ حکم کے ایک مفہوم کو چھوڑ کر دوسرا مفہوم لینا ہے جب کہ نص کے الفاظ میں دونوں مفہوموں کی گنجائش پائی جاتی ہو، یا کوئی دوسری نص ایسی ملتی ہو جو کسی مخصوص حالت کے لیے کسی خاص قسم کے احکام میں ترک و اختیار کی اجازت دیتی ہو۔

میں ان دونوں باتوں کی وضاحت کے لیے چند نظائر پیش کرتا ہوں:

دیکھیے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ اس آیت میں قروء کے ایک مفہوم کو فقہاء کے ایک گروہ نے، اور دوسرے مفہوم کو دوسرے گروہ نے اختیار کیا، اور یہ ترک و اختیار اس بنا پر صحیح تھا کہ قروء کے لفظ میں دونوں مفہوموں کی گنجائش تھی۔

اسی طرح تیمم کے احکام بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے الفاظ استعمال ہوئے تھے۔ ان کے بھی دو مفہوم ہو سکتے تھے جن میں سے ایک کو فقہاء کے ایک گروہ نے اور دوسرے مفہوم کو دوسرے گروہ نے اختیار کیا۔ یہ بھی اس بنا پر درست تھا کہ آیت کے الفاظ دونوں مفہوموں میں سے کسی ایک کو ترک کر کے دوسرے کو اختیار کرنے کی اجازت دے رہے تھے۔

اب دوسری بات کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

سورۂ محمد میں اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً۔ اس میں جنگی قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کی بظاہر دو ہی صورتیں تجویز کی گئی تھیں۔ ایک احسان، دوسری فدیہ۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے معلوم ہوا کہ احسان بلا فدیہ رہا کر دینے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، اور لونڈی غلام بنا کر حسن سلوک کرنے کی صورت میں بھی۔ یہ نظیر موجود نہ ہوتی تو احسان کا ظاہری مفہوم صرف یہی ہو سکتا تھا کہ جنگی قیدیوں کو فدیے کے بغیر ہی بطور احسان رہا کر دیا جائے۔

جنگ قریظہ کے موقع پر حضورؐ نے مدینے سے جانے والے مجاہدین کو حکم دیا تھا کہ "عصر کی نماز نہ پڑھنا جب تک بنی قریظہ کی بستی پر نہ پہنچ جاؤ"۔ لیکن راستے میں دیر لگ گئی اور عصر کا وقت گذرنے لگا۔ اس موقع پر ایک گروہ نے نماز نہ پڑھی، اور دوسرے گروہ نے پڑھ لی۔ پہلے گروہ نے نماز کو وقت پر ادا کرنے کے قرآنی حکم اور سنت کے تاکیدی احکام کو چھوڑ کر حضورؐ کی نص صریح پر عمل کیا جو اس خاص موقع ہی

کے لیے ارشاد ہوئی تھی۔ اور دوسرے گروہ نے حضورؐ کے ارشاد کا یہ مطلب لیا کہ عصر سے پہلے پہلے بنی قریظہ پہنچ جاؤ، اب چونکہ ہم وہاں نہیں پہنچ سکے ہیں اور نماز کا وقت گزرا جا رہا ہے اس لیے ہم نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنے کے حکم عام پر عمل کریں گے۔ ان دونوں گروہوں کا معاملہ جب حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے ان میں سے کسی گروہ کے عمل کو بھی غلط نہ قرار دیا، کیونکہ ہر ایک کے حق میں نص موجود تھی۔

اس توضیح کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے پیش کردہ آٹھ سوالات میں سے پہلے سات سوالات کا جواب دینے کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ رہا آپ کا آٹھواں سوال، تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جماعت اسلامی میں شامل ہونے یا شامل رہنے کے لیے میری تحریروں سے اتفاق ہرگز ضروری نہیں ہے۔ یہ بات میں نے اسی روز کہہ دی تھی جس روز جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی تھی۔

کوّے کی حلت و حرمت اور بعض دوسرے مسائل

سوال: ۱۔ کیا کوّے کا گوشت حلال ہے؟ نیز یہ تحریر فرمائیں کہ کون کون سے جانور اور پرندے حرام یا حلال ہیں؟ نیز درِ مختار کا بعض لوگ حوالہ دیتے ہیں کہ اس میں کوّے کے گوشت کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟

۲۔ حالیہ بارشوں اور سیلاب کے دوران بعض لوگوں نے مکانوں کی چھتوں پر خوف خدا سے اذانیں دیں۔ ایسا کرنا کہاں تک جائز ہے؟ کیا یہ فعل مستحب ہے یا گناہ ہے یا خلاف شرع ہے؟

۳۔ ننگے سر نماز پڑھنا کیسا ہے، جب کہ ٹوپی یا کپڑا موجود ہو؟ کیا کوئی حدیث ایسی ہے جس سے ننگے سر نماز پڑھنے کا جواز ملتا ہے؟

جواب: ۱۔ (۱) جن جانوروں کی حرمت کے متعلق قرآن پاک یا حدیث صحیح میں تصریح ہے، ان پر تو امت میں اتفاق ہے۔ لیکن جن جانوروں کے بارے میں تصریح نہیں ہے بلکہ اصول بیان کیے گئے ہیں، اُن کی حلت و حرمت میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے۔ کوّے کے گوشت کے متعلق در المختار میں لکھا ہے:

ولا یحل ..... الغراب الا بقع الذی یاکل الجیف لانه ملحق بالخبائث قاله الصنف

(ای صاحب تنویر الابصار) ثم قال والخبیث ما تستخبثه الطباع السلیمة" اور حلال نہیں ہے ..... وہ کوا جس کے رنگ میں سیاہی اور سفیدی ملی جلی ہو اور جو مُردار کھاتا ہو، کیونکہ وہ خباثت میں شامل ہے۔ یہ بات مصنف (یعنی صاحب تنویر الابصار) نے لکھی ہے، پھر کہا ہے کہ خبیث وہ ہے جسے سلیم الطبع لوگ گندا اور ناپاک سمجھتے ہیں"۔

علامہ شامی نے ردّ المحتار میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

اما الغراب الابقع (الذی فیه بیاض وسواد) والاسود فهو انواع ثلاثة، نوع یلتقط الحب ولا یاکل الجیف ولیس بمکروه، ونوع لا یاکل الا الجیف فانه مکروه، وهو الذی سماه المصنف الابقع۔ ونوع یخلط، یاکل الحب مرة والجیف اخری، ولم یذکره فی الکتاب، وهو غیر مکروه عنده (ای ابی حنیفة) ومکروه عند ابی یوسف۔

"ملے جُلے رنگ یا سیاہ رنگ کے کوّوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو دانے چُگتا ہے اور مُردار نہیں کھاتا۔ وہ مکروہ نہیں ہے۔ دوسرا وہ جو مُردار ہی کھاتا ہے۔ وہ مکروہ ہے اور مصنف نے اُسی کو ملے جُلے رنگ کا کوّا کہا ہے۔ تیسرا وہ جو کبھی مُردار کھاتا ہے اور کبھی دانے چُگتا ہے۔ مصنف نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ ہے"۔ (ردالمحتار، جلد ۵، ص ۲۶۶)۔

اسی کتاب میں مندرجہ بالا بحث کو آپ دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ کون کون سے پرندے حلال ہیں۔

۲۔ سیلاب یا کثرت بارش یا کسی اور آفت کے موقع پر اذانیں دینا مسلمانوں میں رائج ہو گیا ہے، لیکن میرے علم کی حد تک یہ طریقہ کسی سند پر مبنی نہیں ہے، بلکہ غالباً لوگوں نے اسے اللہ تعالیٰ کو مدد کے لیے پکارنے کی ایک صورت سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اگر لوگ اسے مشروع سمجھ کر کریں تو غلط ہے، اور اگر محض اللہ سے فریاد کرنے اور اس کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی نیت سے کریں تو مباح ہے۔

۳۔ نماز میں سر ڈھانکنے کا کوئی حکم، یا ننگے سر نماز پڑھنے کی کوئی نہی میرے علم میں نہیں ہے۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام عمامہ یا ٹوپی پہنے ہوئے ہی نماز پڑھتے تھے۔ خُذُوا زِینَتَکُمْ عِندَ کُلِّ مَسْجِدٍ کے حکم کا تقاضا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز اچھا لباس پہن کر پڑھی جائے، اور ٹوپی یا عمامہ بھی اس میں داخل ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص ننگے سر نماز پڑھے تو اُس کی نماز ہو جائے گی۔

اُسوۂ ابراہیمؑ اور اس کے ناقدین

سوال: حضرت ابراہیمؑ کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ اور شیر خوار بچہ کو حکمِ خداوندی سے وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ دیا۔ جب آپ وہاں سے چلنے لگے تو آپ کی بیوی آپ کے پیچھے دوڑیں اور پوچھتی رہیں آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ خاموش رہے۔ پھر بیوی نے خود ہی کہا، کیا آپ اللہ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا ہاں۔ اس صبر و ضبط کی پیکر اور اللہ پر بھروسہ کرنے والی خاتون نے یہ سُننے کے بعد کسی پریشانی اور کسی اضطراب کا اظہار نہیں کیا اور اس جنگل میں بیٹھ گئی۔

اس واقعہ کے بارے میں "طلوع اسلام" شمارہ فروری ۱۹۷۶ء میں صفحہ ۳۴ پر رقمطراز ہے۔

"یہ واقعہ قرآن شریف میں نہیں تورات میں ہے۔ اور وہیں سے ہماری کتب روایات میں درج کر دیا گیا ہے۔ اور اسی کو مودودی جیسے مفسر عام کرتے چلے جا رہے ہیں۔ تاکہ سوچ سمجھ سے کام لینے والے طالب علم اسلام سے برگشتہ ہو جائیں۔ براہ کرم فرمایئے کہ طلوع اسلام کی اس بات میں کہاں تک صداقت کا پہلو موجود ہے؟

ایک اور بات جو میرے ذہن میں پیدا ہوتی ہے اس کی بھی آپ سے تشفی چاہتا ہوں۔

"حضرت ابراہیمؑ اپنی زوجہ ہاجرہ کو چھوڑ کر دوسری بیوی حضرت سارہ کے پاس ملک شام تشریف لے گئے۔ ایک عرصہ بعد آپ نے چاہا کہ ہاجرہ اور اسماعیلؑ سے ملاقات کر آؤں۔ آپ نے اپنی بیوی سارہؓ سے اجازت مانگی۔ انہوں نے مشروط اجازت دی کہ سواری سے مت اُترنا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس شرط کو منظور کر لیا اور چل کھڑے ہوئے۔ مکہ آئے تو اُس وقت حضرت ہاجرہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کی بیوی گھر پہ تھیں۔ خود حضرت اسماعیلؑ شکار پر گئے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ کی بیوی سے حال احوال پوچھا۔ اس نے خاطر خواہ جواب نہ دیا۔ آپ چلتے وقت یہ کہہ گئے کہ اسماعیل سے کہنا کہ تیرے گھر کی چوکھٹ خراب ہے۔ اس کو بدل دے۔ یہ کہا اور چل دیے۔ اسماعیلؑ جب گھر واپس آئے تو بیوی نے سارا ماجرا بیان کیا۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور دوسری شادی کر لی۔ پھر کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے سے ملاقات کرنا چاہی۔ اپنی بیوی سارہؓ سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے

پہلے کی طرح مشروط اجازت دی۔ آپ مکہ تشریف لائے۔ اتفاق سے حضرت اسماعیلؑ پھر بھی گھر میں موجود نہ تھے۔ آپ نے ان کی بیوی سے حال احوال پوچھا۔ اس نے بڑے اچھے انداز میں جواب دیا۔ حتیٰ کہ آپ کا سر تک دھویا۔ آپ جاتے وقت یہ کہہ گئے کہ اسماعیلؑ سے کہنا کہ تیرے گھر کی چوکھٹ عمدہ ہے۔ اسے قائم رکھنا۔ حضرت اسماعیلؑ واپس آئے تو بیوی نے ماجرا بیان کیا۔ آپ نے جواب دیا وہ میرے والد ابراہیمؑ تھے اور تو میرے گھر کی چوکھٹ ہے۔"

اس واقعہ سے حسب ذیل اشکالات ذہن میں اُبھرتے ہیں۔

۱۔ کیا یہ واقعہ درست ہے؟

۲۔ اگر درست ہے تو اتنی سی بات پر طلاق دینا محل نظر ہے۔

۳۔ قرآن کریم میں حضرت اسماعیلؑ سے متعلق ذبح کا واقعہ مذکور ہے۔ تو پھر وہ کب رونما ہوا جبکہ مذکورہ الصدر واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔

اُمید ہے آپ زحمت فرما کر جواب دیں گے۔

جواب: (از ملک غلام علی صاحب) حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول قرآن مجید میں مذکور ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت وہ یہ دعا مانگ رہے تھے:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ "اے ہمارے رب، میں نے اپنی کچھ اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں بسایا ہے"۔ ان الفاظ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے صاحبزادے کو یہاں آباد کیا مگر خود ان کے ساتھ مستقل بود و باش اختیار نہیں کی۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ یوں کہتے کہ میں نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ یہاں سکونت اختیار کی ہے۔ اب اس کے بعد دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ارادے سے انہیں اس بیابان میں لا بسایا ہو، دوسری یہ کہ انہوں نے ایسا ہدایتِ خداوندی کے مطابق کیا ہو۔ تورات یا تفسیری و تاریخی روایات نہیں بلکہ صحیح احادیث ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اتنا غیر معمولی قدم حکمِ الٰہی کے مطابق اُٹھایا تھا۔ بخاری، کتاب الانبیاء میں حضرت ابن عباسؓ نے متعدد احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں جو اسی بات کی تائید کرتی ہیں۔ اگر ان احادیث کو مرسل سمجھا جائے، تب بھی صحابہ کرام کی مراسیل، بالخصوص جو صحیحین میں وارد ہوں، وہ مستند اور قابلِ حجت ہیں۔ ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ

جب حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو لے کر اس وادی میں پہنچے ہیں تو وہاں کوئی پانی اور انسانی آبادی نہ تھی۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ نے ماں بیٹے کو چھوڑا، ایک تھیلے میں کھجوریں اور ایک مشکیزہ پانی کا ان کے پاس رکھ دیا اور چل دیے۔ حضرت ہاجرہ نے پیچھے سے آواز دی اور پوچھا:

آللہ الذی امرک بھذا ؟ قال نعم۔ قالت اذن لا یضیّعنا ثم رجعت۔

(کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا: ہاں، تو وہ کہنے لگیں، "پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا اور واپس ہو گئیں)۔

اسی حدیث میں مزید مذکور ہے کہ جب پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں تو حضرت ہاجرہ صفا اور مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں دوڑنے لگیں۔ جب سات مرتبہ دوڑ کر تھک گئیں تو انہوں نے زمزم کے پاس ایک فرشتہ دیکھا جس نے زمین پر اپنے پر مارے اور پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ فرشتے نے ان سے کہا: "تم ہرگز ہلاکت کا خوف نہ کرو۔ یہاں اللہ کا گھر ہے جسے یہ لڑکا اور اس کے والد تعمیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے اہل و عیال کو کبھی ضائع نہ کرے گا۔"

قرآن و حدیث کی ان تصریحات کے بعد یہ کہنا کہ یہ باتیں تورات سے آئی ہیں اور مودودی جیسے مفسرین ان کو عام کر رہے ہیں یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ گولڈ زیہر جیسے یہودی اور دوسرے ملحدین و مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی ہر بات تورات، تلمود اور دوسری اسرائیلی روایات اور اہل کتاب کی زبانی حکایات سے ماخوذ ہیں۔ ہماری نومسلم بہن مریم جمیلہ نے بیان کیا ہے کہ ان کا ایک یہودی معلم ایسا تھا جس نے نہایت محنت اور کھینچ تان کر کے قرآن مجید کی بیشتر آیات و قصص سے مماثل عبارتیں اپنے ماں کی کتابوں سے جمع کر لی تھیں۔ مشرکین عرب بھی یہی کہتے تھے کہ یہ قرآن تو پرانے قصے کہانیاں (اساطیر الاولین) ہیں جو لکھ لی گئی ہیں اور صبح و شام ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر املا کیا جاتا ہے۔ مگر اس طرح کی بیہودہ باتوں سے اسلامی تعلیمات کی حقانیت کو کیسے مشتبہ بنایا جا سکتا ہے؟ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام اور حضرت ہاجرہ کے یہ ایمان افروز حالات و واقعات محدثین و مفسرین چودہ سو سال سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور آج تک کوئی مسلمان انہیں پڑھ کر یا سن کر اسلام سے برگشتہ نہیں ہوا۔ البتہ جو "نیا اسلام اب طلوع" ہو رہا ہے اور "سوچ سمجھ سے کام لینے والے طالب علم" جو اس "جدید اسلام" کے گرویدہ ہو رہے ہیں، وہ اس اسلام سے ضرور برگشتہ ہو رہے ہوں گے جو صدیوں سے ہمارے اسلاف کا متعارف و متوارث دین رہا ہے۔

بخاری شریف کی احادیث مذکورہ میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؓ سے اجازت مانگی اور انہوں نے مشروط اجازت دی..... بس اتنا مذکور ہے کہ "میں اپنے اہل و عیال کی خیریت معلوم کرنے جارہا ہوں"۔ بخاری میں یہ بھی نہیں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کے گھر پہنچے تو ان کی بیوی نے کوئی خاطر خواہ جواب نہ دیا۔ حضرت اسماعیلؑ کی بیوی کا جواب جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ انا فی جھد وشدۃ (ہم بڑی مصیبت و مشقت کی زندگی بسر کر رہے ہیں)۔ اسی سے حضرت ابراہیمؑ نے یہ اندازہ کر لیا ہوگا کہ جو عورت اس طرح تنگ دستی کی شاکی ہے وہ خانوادۂ نبوت کی ذمہ داریاں نباہنے کی اہل نہیں ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اسماعیلؑ اسے علیحدہ کر کے دوسری کسی خاتون سے نکاح کریں جو صبر و شکر کے ساتھ مشکل حالات میں خاوند کا ساتھ دے اور شکوہ و شکایت نہ کرے۔ چنانچہ دوسری بیوی کے یہ الفاظ اسی حدیث میں منقول ہیں کہ جب ان سے دوسری آمد پر حضرت ابراہیمؑ نے حال احوال پوچھے تو انہوں نے کہا: "ہم بالکل بخیر و عافیت اور آسودہ حال ہیں" اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ ظاہر ہے کہ اس بدوی زندگی میں تو کوئی خاص تبدیلی واقع نہ ہوئی ہوگی، مگر یہ دوسری خاتون خود صابرہ و قانعہ ہوں گی، اس لیے اس گھرانے کی ہر لحاظ سے اہل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے انہیں گھر کی عمدہ چوکھٹ سے تعبیر کیا اور اسے برقرار اور قائم رکھنے کی ہدایت فرمائی۔

آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اہل و عیال چونکہ دو جگہ آباد تھے، ایک عرب میں اور دوسرے شام میں، اس لیے آپ مستقلاً ایک جگہ نہیں رہ سکتے تھے۔ البتہ دونوں گھروں کی خبر گیری کے لیے وقتاً فوقتاً دونوں مقامات پر آمد و رفت رکھتے تھے۔ حکم ذبح کا واقعہ حضرت اسماعیل کی شادی سے پہلے کا ہے جبکہ وہ محض بھاگ دوڑ کے قابل ہوئے تھے۔ جب باپ بیٹا اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے تو اللہ نے دونوں کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا، اور حضرت اسماعیلؑ متاہل بھی ہوئے۔ صرف دو موقعوں پر حضرت ابراہیمؑ کی تشریف آوری کے وقت حضرت اسماعیلؑ کا گھر میں موجود نہ ہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ ان مواقع سے پہلے یا بعد میں حضرت ابراہیمؑ کبھی ان کی پرسش احوال کے لیے آئے ہی نہیں، یا آئے ہیں تو کبھی باپ بیٹے میں ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔

حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے اہل بیت کو اللہ نے ہر آزمائش میں ثابت قدم رکھا ہے۔ جس کا جی چاہے اس پورے سلسلۂ واقعات سے عبرت و موعظت اور روحانی تقویت حاصل کرے اور جس کا جی چاہے اپنے قلب مریض میں شک کے کانٹے چبھوتا رہے کہ وہ کیسا خدا تھا جس نے اپنے ایک نبی کو یہ حکم دیا کہ اپنے شیر خوار بچے کو والدہ سمیت لق و دق ویرانے میں چھوڑ آئے جب بچہ نوجوانی کو پہنچنے لگے تو اس کے گلے پر چھری چلانے کا حکم دے اور یہ کیسے نبی اور نبی کے گھر والے تھے جو بغیر سوچے سمجھے ایسے احکام کو مانتے چلے گئے۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔